استشراقی فکر اور ان کے اسلام کے بعض پہلوؤں پر اعتراضات
(تفسیر ماجدی کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر محمد شہباز منج *

مولانا عبدالماجد دریابادی کے زمانے میں استشراقی و مغربی اہل قلم کی جانب سے اسلام اور پیغمبر اسلام پر سخت حملے ہو رہے تھے۔ مولانا اپنے عہد کے مذہبی و سیاسی، علمی و فکری اور معاشی و معاشرتی حالات، ان کے اسباب و محرکات اور نتائج و عواقب سے مکمل طور باخبر تھے۔ وہ فلسفہ و نفسیات کے طالب علم کے ہونے کے ساتھ ساتھ جدید مغربی لٹریچر پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ مولانا نے اپنی تفسیر قرآن میں قرآن کریم، ذات نبویؐ اور اسلام کے بعض پہلوؤں پر اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ سطورِ ذیل میں مولانا کی اسی کوشش کو سامنے لایا گیا ہے۔

قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے پر اعتراض اور اس کی حقیقت:

مستشرقین قرآن کو کلامِ الٰہی ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ جبکہ بعض قرآن کو تورات و انجیل سے ماخوذ بتاتے ہیں اور ایک گروہ حضور ﷺ کی تصنیف قرار دیتے ہیں (۱)۔ کبھی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بحیرہ راہب اور کچھ دوسرے یہودی و عیسائی علماء سے اہلِ مستشرق مذکور نے اپنے گمان باطل سے یہ مفروضہ تو قائم کرلیا کہ قرآن کا انحصار بائبل کی روایات پر ہے۔ لیکن جب اس نے سوچا کہ مکہ کا ایک امی جس نے کبھی کسی استاد کے روبرو زانوے تلمذ تہ نہ کیا تھا اس نے کیونکر اور کس طریقے سے بائبل کی معلومات حاصل کر کے ان کی بنیاد پر قرآن حکیم جیسا علوم و معارف کا بحرِ ذخار تیار کرلیا تو وہ عین مشرکین مکہ کی طرح ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑانے لگا۔ اس نے لکھا: ''کئی امکانات ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے محمد ﷺ یہودیوں اور عیسائیوں سے ملے ہوں اور ان کے ساتھ مذہبی گفتگو کی ہو۔ شام کی سرحد کے ساتھ کچھ عیسائی عرب آباد تھے۔ ممکن ہے عیسائی عرب یا یمن کے حبشی تجارت کی غرض سے مکہ آئے ہوں۔ کچھ بدو قبائل یا ان کی کچھ شاخیں بھی عیسائی تھیں۔ لیکن عیسائی ہونے کے باوجود ممکن ہے وہ مکہ کے تجارتی میلوں میں شرکت کرتے ہوں۔ مدینہ اور کچھ دوسری جگہوں پر یہودیوں کے کچھ قبائل تھے۔ لہذا ایسے عناصر سے گفتگو کے امکانات موجود تھے۔ محمد ﷺ کی حضرت خدیجہؓ کے عیسائی چچازاد ورقہ سے ملاقات کا بیان تاریخ کے صفحات پر موجود ہے اور محمد ﷺ کی زندگی میں آپ کے دشمنوں نے کچھ ایسے عناصر کے ساتھ آپ کے رابطوں کی طرف اشارہ کیا تھا جن کو ان کے الہامات کا منبع قرار دیا جاسکتا ہے'' (۲)۔

مولانا مستشرقین کے اعتراضات بیان کرنے کے بعد ان کا جواب کچھ اس طرح دیتے ہیں:

---

* لیکچرر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۶ کی تفسیر میں قرآن کو اہلِ کتاب کی کتابوں سے ماخوذ قرار دینے کے سلسلہ میں قدیم و جدید اہلِ کتاب کے جاہلانہ تخیل کو باہم مطابق ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہود جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیش گوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کر کے خواہ مخواہ ان کے ہاتھ میں ہتھیار اپنے خلاف دے دیتے ہو۔ انہی معلومات سے وہ ہمیں قائل کرتے ہیں، یہی دلائل وہ ہمارے تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ گویا یہ احمق سمجھ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور پیروانِ اسلام کو جو کچھ بھی علم ہوگا محض ان کے بتانے ہی سے ہوگا اور بس۔ اس کے سوا ان پر علم اور معلومات کے تمام دروازے بند ہیں۔ یہ جہل مرکب بالکل اسی طرح کا تھا جس میں آج سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید پر جب تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں تو اس مفروضہ کو بنیادِ کار بنا لیتے ہیں کہ اس میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہود کی توراتِ مروجہ، مسیحیوں کی انجیل مروجہ اور اسی طرح کے دوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہے اور اس کا تو کوئی امکان دور کا بھی نہیں کہ اس میں کوئی غیبی امداد وحی والہام کی قسم کی شامل ہو (۳)۔

سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''ایک اُمیؐ کی زبان سے بلند پایہ علوم، معارف و حقائق کو صحیح و شستہ پیرایۂ بیان میں سن کر ظالموں نے کہنا یہ شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامینِ عالی انہوں نے کسی یہودی یا نصرانی سے خوب پڑھ کر یاد کر لیے ہیں اور جاہلیت کے انہیں لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے مستشرقین اور فضلائے یورپ کر کے قرآن کی اس پیش خبری کی توثیق کر رہے ہیں'' (۴)۔

سورۃ ہود کی آیت ۱۲ کی تفسیر میں قرآن کے عربوں اور ساری دنیا کو اپنی مثل لانے کے چیلنج کے حوالے سے حاشیہ طراز ہیں:

> ''آج کے 'روشن دماغ فرنگی محققین' ہی کی طرح عرب جاہلیت کے 'روشن خیال' بھی اپنی اس تحقیق پر نازاں تھے کہ قرآن کلامِ محمدی ہے۔ ان کے اس خیال کے جواب میں ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا اگر محمد ﷺ ایسے کلام کے اتنے بڑے مجموعے پر قادر ہو سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں قادر ہو سکتے۔ تم میں سے ایک ایک نہ سہی تم سب مل کر اپنے سارے حمایتیوں کو شریک کر کرا کے تو اس قرآن کا کوئی تھوڑا سا حصہ تو تیار کر ہی سکتے ہو پھر آؤ اس میں دیر ہی کیا ہے... مثلہ میں مثلیت زبان و حسن بیاں، معنویت و خوبیٔ مضامین ہر اعتبار و لحاظ سے ہے، بہ لحاظ معنویت چیلنج ساری دنیا کے لیے ہے اور بہ لحاظ ادب و انشا اہل عرب کے لیے'' (۵)۔

سورۃ النحل کی آیت ۲۴ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> ''یہ گہر افشانی قرآن مجید کی سی محققانہ کتاب سے متعلق ایک مشرکینِ مکہ تو خیر اپنی بے خبری، تاریک خیالی اور جہالت کے لیے ضرب المثل ہی ہیں، کمال یہ ہے کہ آج فرنگستان کے بڑے بڑے 'روشن خیال'

مدعیانِ علم و دانش بہک بہک کر بس یہی کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے کیا، یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے کچھ قصے لے کر انہیں مسخ و تحریف کے بعد جمع کر دیا گیا ہے'' (۶)۔

سورۃ النحل کی آیت ۱۰۳ ﴿ولقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر﴾ کی تفسیر میں مشرکین کے اس الزام جس کے مطابق ان کا کہنا تھا کہ حضورﷺ ابن الحضرمی کے رومی نصرانی غلام یا بعض روایتوں کے مطابق شمشیر سازی کا کام کرنے والے دو غلاموں سے سیکھ کر قرآن تصنیف کرتے ہیں، کا جواب کچھ اس طرح دیتے ہیں:

''عجب کم فہم لوگ تھے، قرآن کے حیرت انگیز اثر، اس کے اعلیٰ مطالب اس کی حکیمانہ تعلیمات، اس کی معجزانہ بلاغت کو دیکھتے تو یہ یوں کہہ اٹھتے کہ یہ ان صاحب کا کلام نہیں ہو سکتا، کوئی نہ کوئی انہیں سکھاتا ضرور ہے، اور اب ان کا حمق اس ''کوئی نہ کوئی'' کی تلاش کرنے لگتا اور اس بدحواسی میں کبھی اس کا نام لے دیتے، کبھی اس کا! ہر طرف ٹھوکریں کھاتے رہتے اور یہ نہ ہوتا کہ کبھی حق تعالیٰ ہی کا نام فرض کر لیتے۔

ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے 'روشن خیال' مستشرقین بھٹکتے پھر رہے ہیں'' (۷)

صاحبِ تفسیرِ ماجدی کے مذکورہ حاشیہ کا آخری جملہ کتنا معنی خیز ہے کہ مستشرقین عین مشرکینِ مکہ ہی کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ محمدﷺ نے قرآن یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں سے سیکھا ہے، کبھی اس سلسلہ میں بحیری راہب وغیرہ کو آپ کا مددگار بتاتے ہیں اور کبھی اسے حضورﷺ کی اپنی اختراع قرار دیتے ہیں۔ تشابهت قلوبهم.

کوئی ان مدعیانِ علم و عقل سے پوچھے کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل بھی ہے جو ان کی اپنی ہو اور مشرکینِ مکہ سے مستعار نہ لی گئی ہو۔ ذرا آگے بڑھیے اور ﴿بَلْ قَالُوٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ﴾ (۸) پر مولانا کا یہ حاشیہ دیکھیے: ''مشرکینِ مکہ کے اس گروہ کی نمائندگی آج یورپ اور یورپ زدہ طبقہ کر رہا ہے۔ ٹامس کارلائل (برطانوی) جو اوروں کو دیکھتے ہوئے اسلام کا بہت ہمدرد ہے وہ تک یہ کہہ گیا ہے کہ قرآن کیسی غیر مربوط، پریشان کتاب ہے تو دوسروں کا ذکر ہی کیا'' (۹)۔

قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے سے انکار کے حوالے سے مشرکینِ مکہ کی تقلید میں مستشرقین کی ٹامک ٹوئیوں اور بوکھلاہٹ کو مزید واضح کرتے ہوئے سورۃ الفرقان کی آیت ۴ کے الفاظ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ''بعینہ یہی جاہلانہ، بیدردانہ الزام آج بھی سینکڑوں یہودی، مسیحی، ملحد مستشرقین اپنی کتابوں میں دہرا رہے ہیں! فرماتے ہیں، اور کس قدر مضحکہ انگیز نمائشِ علم و فضل کے ساتھ فرماتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محمدﷺ تھے بڑے ذہین، زیرک، چالاک، ایک اثر انگیز کتاب اپنی طرف سے گھڑ کر اسے خدا کی جانب منسوب کر دیا... حال کے 'روشن خیالوں' کی طرح ماضی کے 'روشن خیال' بھی یہی کہتے کہ یہ پیغمبر یہ ساری کاروائی دوسروں کی سازش سے کر رہے ہیں'' (۱۰)۔

غرض یہ کہ مولانا عبد الماجد دریابادی کے مطابق بیسویں صدی کے بڑے بڑے فرنگی 'علماء و محققین' آخر اس منزل سے آگے نہ

بڑھ سکے جو معاند کفار ومشرکین قریش کی تھی۔ وہ لوگ بھی قرآن کے لفظی ومعنوی اعجاز کی طرف سے آنکھیں بند کیے یہی رٹ لگائے ہوئے تھے کہ یہ کلام کسی اور کا سکھایا پڑھایا ہوا ہے اور آج یورپ وامریکہ کے بڑے بڑے مستشرقین کا بھی ''منتہائے تحقیق'' بس اسی قدر ہے کہ یہ کتاب محمد عربی ﷺ نے کچھ اِدھر اُدھر سے سن سنا کر تیار کر دی ہے (۱۱)۔

قصص قرآنی اور مستشرقین:

مستشرقین کی جانب سے قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے سے انکار کے ضمن میں کیے جانے والے اعتراضات ہی کے سلسلہ میں ایک اعتراض قصصِ قرانی اور قرآن میں مذکور واقعات وشخصیات سے متعلق ہے۔ مستشرقین نے قرآن کے مختلف قصوں کو بائبل کی نقل قرار دینے کے ساتھ ساتھ قرآن کے بعض واقعات وشخصیات کا بائبل کے بیانات اور بعض دیگر تاریخی روایات سے موازنہ کر کے اپنے تئیں قرآن کی غلطیاں نکالنے کی کوشش کی ہے۔

صاحبِ تفسیر ماجدی نے اپنی تفسیر میں بائبل اور دیگر تاریخی معلومات کی بنا پر قرآنی قصص وتاریخی بیانات پر استشراقی اعتراضات کی تردید کی ہے۔ مولانا نے قرآنی واقعات وشخصیات سے متعلق مغربی اہلِ قلم کی تحریرات سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو جدید علمی تحقیقات کی روشنی میں رفع کرنے کے ساتھ ساتھ بائبل کو محرف ثابت کر کے اس پر انحصار کے سبب قرآن کی غلطیاں نکالنے کے رجحان کو باطل باور کرانے کی بھی کامیاب کوشش کی ہے۔ تورات کے متعلق لکھا ہے کہ موجودہ بول چال میں تورات ان متعدد صحیفوں کے مجموعے کا نام ہے، جن میں ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کے نام سے منسوب ہے لیکن ان میں سے کسی بھی صحیفہ کی تنزیلِ لفظی کا کسی یہودی کو بھی دعویٰ نہیں۔ اسی طرح انجیل ان متعدد صحیفوں کا نام ہے جن میں حضرت مسیح سے متعلق مجہول الحال لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں اور ملفوظات ہیں لیکن ان میں سے کوئی عقیدہ بھی مسیحیوں کے عقیدے میں آسمانی نہیں بلکہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق کہ یہ مجموعہ حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور بلا توقع تیار ہو گیا۔ لہٰذا ایسے بے سند ''مقدس نوشتوں'' کی تصدیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل یعنی عہدِ عتیق وعہدِ جدید کا کوئی جزو بھی قرآن کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔ قرآن تورات وانجیل کے نام سے صرف انہی کی تصدیق کرتا ہے جو اس کی اپنی اصطلاح میں دو مستقل آسمانی کتابیں ہیں (۱۲)۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۹ کے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ تورات کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست دشمن سبھی تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ کلامِ الٰہی نہیں۔ کسی جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت نہیں کہ تورات کو قرآن مجید کی طرح تنزیلِ لفظی قرار دے۔ اب زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ خدارسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے جسے ان بزرگوں نے الہامِ خداوندی سے مشرف ہو کر اپنے طور پر اپنے الفاظ میں ترتیب دیا اور خدا تعالیٰ کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے، حقیقی اور براہِ راست کے مفہوم میں نہیں۔ وقتاً فوقتاً جو تصحیفات ہوتی رہی ہیں وہ بالفرض کسی مصلحت یا ضرورت ہی سے ہوئی

ہوں، ان کے نفسِ وقوع کا اعتراف سب کو ہے۔ بائبل کی تنقیدِ عالیہ (Higher Criticism) ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ جرمن، فرنچ اور انگریزی وغیرہ میں چھوٹی بڑی ہزاروں کتابیں اس موضوع پر تیار ہو چکی ہیں اور مقالات و مضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر فن بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انتقادِ متن (Textual Criticism) اور انتقادِ تاریخی (Historical Criticism) وغیرہ ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں۔ کاش سر سید احمد خاں مرحوم آج زندہ ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے جس الزام کی صفائی انہوں نے خواہ مخواہ اپنے سر لے رکھی تھی اس جرم کا اقبال وہی لوگ اب کھلے لفظوں میں کس کثرت سے کر رہے ہیں! (۱۳)۔

سورۃ القصص کی آیت ۶ کی تفسیر میں قرآن کے بیان کردہ ہامان سے متعلق مسیحی و یہودی اہلِ قلم کے اعتراضات کو تاریخ کی مصدقہ شہادت کی روشنی میں باطل ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''ہامان کون شخص تھا؟ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ مصر میں کوئی شخص اس نام کا تھا ہی نہیں۔ البتہ ایران میں ایک شخص اس نام کا گزرا ہے اور (نعوذ باللہ) قرآن نے دونوں میں خلط ملط کر دیا۔ لیکن ہامان کو شخصی نام فرض ہی کیوں کیا جائے۔ جس طرح اس کا عطف فرعون کے ساتھ یہاں بھی اور آگے چل کر بھی آیا ہے اس سے تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ جس طرح فرعون شخصی نام نہیں بلکہ شاہی لقب تھا اسی طرح ہامان بھی کوئی سرکاری لقب ہی تھا۔ تاریخ سے اتنا تو بہر حال ثابت ہے کہ مصر کے ایک بہت بڑے دیوتا کا نام آمن (Amon) تھا۔ اس کے بڑے پجاری کے اختیارات بادشاہ سے بس کچھ ہی کم ہوتے تھے۔ عجب کیا کہ اس بڑے پجاری کا سرکاری لقب عربی میں ہامان ہو'' (۱۴)۔

مغربی اہلِ قلم میں ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو بائبل کے کسی بھی بیان پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے روادار نہیں اور قرآن کے کسی واقعہ کو بعینہٖ بائبل میں نہ پا کر سرے سے واقعہ ہی سے انکار کے درپے ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف کچھ لوگ وہ ہیں جو آثارِ قدیمہ پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے تمام الہامی مذاہب کے ہاں مسلمہ تاریخی شخصیات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ صاحبِ تفسیرِ ماجدی نے اپنے تفسیر میں ان ہر دو مغربی اہلِ قلم کے خیالات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت ۲۵۸ کی تفسیر میں حضرت ابراہیم اور ان سے مباحثہ کرنے والے بادشاہ سے متعلق قرآنی قصے کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بحث و مناظرہ کرنے والا شخص ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی معاصر بادشاہ تھا۔ مفسرین اس کا نام نمرود بتاتے ہیں۔ اب اس خاص قصہ کا ذکر چونکہ اہلِ کتاب کی کتاب میں موجود نہیں ہے اس لیے وہ اس روایت ہی کے ماننے میں تامل کر رہے ہیں حالانکہ قرآن مجید تورات کی اس طرح کی خدا جانے کتنی فروگذاشتوں کی تصحیح کرتا گیا ہے۔ اتنا تو بہر حال تاریخِ توریت اور روایاتِ یہود میں تسلیم ہے کہ نمرود نامی بادشاہ کا وجود تھا۔ بادشاہ بہت بڑا تھا اور ساتھ ہی سخت ظالم اور مشرک اور آزر اس کا وزیر تھا جیسا کہ پیدائش ۱۰:۹۸ اور تواریخ ۱۰:۶۰ سے واضح ہے۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ یہ نمرود اپنے قبیلہ والوں کی مختصر فوج سے آل یافث کو شکست دے کر زمین کا بادشاہ ہو گیا اور اس نے آزر کو اپنا وزیر بنایا اور ازاں بعد اپنی عظمت کے نشہ میں خدا سے بیگانہ ہو کر سخت قسم کا

مشرک ہو گیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس کے مطابق بابل یا کلدانیہ ہی کی تاریخ میں ایک اور بادشاہ کا نام آتا ہے جو بابل کا سب سے پہلا انسانی خدا تھا اور بعض مورخین نے اسے نمرود کا مرادف قرار دیا ہے۔ انیسویں صدی کے ثلث آخر میں فرنگی مادیت و عقل پرستی اور اس کی تقلید میں ہندوستانی ''روشن خیالی'' اور ''نیچریت'' کا شدید تقاضا یہ تھا کہ ان قصوں ہی سے سرے سے انکار کر دیا جائے لیکن جوں جوں خود فرنگی مورخین کے قدم آگے بڑھتے گئے یہ تشکیک و بے اعتقادی بھی ضعیف ہوتی چلی گئی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے چودھویں ایڈیشن میں اعتراف کیا گیا ہے کہ نصف صدی پیشتر ان قصوں کو جیسا بے اصل و نامعتبر سمجھ لیا گیا تھا وہ خیال اب مزید تحقیق سے قائم نہیں رہا۔ جدید تحقیق سے تصدیق ہونے والے ان قصوں میں سے ایک یہ نمرود کے ساتھ مناظرۂ ابراھیمی والا قصہ بھی ہے (۱۵)۔

بائبل میں تاریخی غلطیوں کی بنا پر بعض مغربی اہلِ قلم کے حضرت ابراہیمؑ کی تاریخی شخصیت سے انکار کے رجحان کو جدید تحقیقات کے حوالے سے غلط ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ موجودہ محرف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض ''روشن خیال'' محققین نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں کہنا شروع کیا کہ ''ابراھیم'' نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں بلکہ یہ محض ایک نوعی نام تھا یا ہر شیخ قبیلہ کا لقب۔ لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے ربع اول کے ختم ہوتے ہوتے پھر آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہو جانا پڑا ہے۔ اس ضمن میں مولانا نے ممتاز مسیحی اہلِ قلم کے حوالے بھی دیے ہیں۔ مثلاً سورہ البقرہ کی آیت ۱۲۴ کے تفسیری حاشیہ میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کا وہ اقتباس نقل کیا ہے جس میں وہ حضرت ابراھیم کو محض ایک نسل کا مورثِ اعلیٰ ہی نہیں بلکہ اپنے دو ہزار سال بعد پیدا ہونے والے محمد ﷺ کی طرح ایک مذہبی تحریک کا بانی و امام، سامی قوموں اور قبیلوں کا رہنما اور تورات کے حسبِ روایت اسرائیلی مذہب کا بانی ثابت کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اہلِ مغرب کا آپ کو امام ماننا قرآن کے مذکورہ الفاظ کی حقانیت کا اعتراف ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۰ ﴿ولقد اصطفینہ فی الدنیا﴾ کے تفسیری حاشیہ میں ممتاز مسیحی مورخ ریونڈ رولیم ڈین کی سیرتِ ابراھیمی کا حوالہ دیا ہے جس سے ایک طرف تو خلیل اللہ کے دنیوی عروج و اقبال پر روشنی پڑتی ہے اور دوسری طرف آپ کی شخصیت کو فرضی قرار دینے کا واضح ابطال ہوتا ہے (۱۶)۔

سیرت نبوی اور استشراقی ذہنیت:

مستشرقین نے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کو خصوصی طور پر اپنے حملوں کا نشانہ بنایا۔ مولانا نے اپنی تفسیر میں اس کا بطریقِ احسن جائزہ لیا ہے۔

سورۃ آل عمران کی آیت ۷۲ کی تفسیر میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف قدیم و جدید اہل کتاب کی ملتی جلتی منافقانہ چالوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مدینہ و مضافاتِ مدینہ کے یہود کی چالیں مسلمانوں کے خلاف عجیب عجیب رہتی تھیں۔ ایک

بار آپس میں صلاح ومشورہ کے بعد یہ سوچا کہ ہم میں بعض صبح کے وقت اسلام کا اقرار کرلیا کریں اور پھر چند گھنٹوں کے بعد اس اقرار سے رجوع کرلیا کریں اور کہہ دیا کریں کہ غور وفکر اور مطالعہ تورات کے بعد اس نئے دین کی تصدیق نہ ہوئی، اس لیے ہم اس سے نکل آئے ہیں۔اہل عرب پر ہمارے علم واخلاق دونوں کی دھاک تو بیٹھی ہی ہوئی ہے، لوگ کہیں گے کہ آخر کوئی خرابی تو اس نئے دین میں ہے جو ایسے ایسے لوگ اس سے باہر نکل گئے اور عجب نہیں کہ اس ترکیب سے کچھ پرانے مسلمان بھی اکھڑ جائیں۔
تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بہ صراحت درج ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کے ''مظالم'' فرضی یا واقعی کی بنا پر بہت سے یہود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور فتوی کے مطابق اپنے قبول اسلام کا اظہار شروع کر دیا تھا درآنحالیکہ دل میں سب کے سب منکر ہی تھے۔اور آج یہ جو بڑے بڑے فرنگی ''محققین'' یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرتِ نبوی لکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم وتحقیق، وسعتِ مشرب و بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں اور یہی معلوم ہونے لگتا ہے کہ ''پیغمبر عرب'' اور ''مصلح عالم'' کی نعت اور ''مقنن اعظم'' اور ''مثیل موسیٰ'' کی منقبت میں دریا کے دریا بہا دیں گے لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) انہیں کچھ خللِ دماغ سا تھا یا یہود و نصاری کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سن سنا کر انہیں چرا لیتے تھے وقس علی ھذا۔تو یہ بھی ٹھیک ٹھیک اسی قدیم یہودیانہ دجل وتلبیس کا ایک جدید فرنگی نمونہ ہے اور بس (۱۷)۔
سورۃ یونس کی آیت ۴۲ کی تفسیر میں مستشرقین کی اس ذہنیت کو، جس کے مطابق وہ بظاہر غیر جانبداری کا تاثر دے کر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہر اگلتے ہیں، قرآن کے اولین مخاطب منکرین کی ذہنیت کے عین مطابق ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے:
﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّسۡتَمِعُ اِلَیۡکَ﴾ یعنی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے۔آج یہ تصویر سیرتِ نبوی، شریعتِ اسلامی اور کلامِ الٰہی پر قلم اٹھانے والے بہت سے مستشرقین پر صادق آتی ہے۔ان کی کتابوں کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھیے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند، تحقیق دوست ہیں، اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیے، زہر ہلاہل کے انبار در انبار انہیں اوراق میں ملتے جائیں گے، مفروضات واحتمالات کے ڈھیر لگاتے جائیں گے اور قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا اور محمد عربی ﷺ کا رسول برحق ہونا بطورِ احتمال بھی اپنے سامنے نہ لائیں گے'' (۱۸)۔
سورۃ المومنون کی آیت ۷۰ کے ذیل میں حضور ﷺ کی خوبیوں اور کمالات کو تسلیم کرنے کے باوجود آپ ﷺ پر الزامات عائد کیے جانے کے سلسلہ میں مستشرقین یورپ کو جاہلین عرب کے پیر باور کراتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''حیرت اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے کہ عرب کے ان جاہلین کے بالکل قدم بقدم آج یورپ کے جاہلین جدید بھی ایک طرف آپ کے کمال وحکمت و دانائی کے قائل ہیں یہاں تک کہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی حکمت وخوش تدبیری سے قرآن نامی ایک کتاب گھڑ لی، سارے ملک عرب کی بیسیوں ٹکڑیوں اور ٹولیوں کو متحد کرلیا، سب کو ایک دین کا پابند بنا لیا، بڑے بڑے پرقوت دشمنوں، مشرکین قریش و یہود

مدینہ وغیرہ پر غالب آ گئے، وقس علی ھذا۔ایک طرف تو آپ کی دانائی ،فرزانگی وخوش تدبیری کا اعتراف اس زور سے ہے اور دوسری طرف آپ کو (نعوذ باللہ) نیم مجنون ،صرع زدہ بتانے پر بھی اصرار جاری ہے" (۱۹)۔

سورۃ الاحقاف کی آیت ۷ کی تفسیر میں قرآن کے مخاطبینِ اول کفار اور موجودہ مستشرقین یورپ کی ذہنی ہم رنگی کو یوں واضح کرتے ہیں: "ماضی کے 'روشن خیال' کی تشخیص یہی تھی، اور حال کے 'روشن خیال' کی تحقیق بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جب وہ یہ کہتا ہے کہ موافق ماحول اور مناسب فضا نے محمد ﷺ کے کلام اور پیام کو اس درجہ موثر وکامیاب بنا دیا...قرآن مجید کی نفسِ تاثیر سے انکار مشرکین عرب کے لیے بھی ممکن نہ تھا، فقط وہ اس کی توجیہ وتاویل دوسری کرلیا کرتے تھے اور ٹھیک وہی کج نظری آج تک یورپ اور یورپ زدہ حلقوں میں متوارث چلی آ رہی ہے" (۲۰)۔

سورۃ سبا کی آیت ۸ کے تحت حضور ﷺ پر طعن کے حوالے سے مشرکین مکہ اور مستشرقین کے رویے میں مماثلت دکھاتے ہوئے لکھا ہے کہ جب قیامت سے متعلق عقیدہ بیان کیا جاتا مشرکین وقوع قیامت کو ناممکن سمجھ کر آپ کے قول کی توجیہ دوشقوں سے کرتے ۔یعنی یہ کہ یا تو آپ ﷺ دانستہ بات گھڑ کر بیان کر رہے ہیں یا آپ کو جنون لاحق ہے۔بعینہ آج جب مستشرقین قلم اٹھاتے ہیں تو یہ تو بطورِ علومِ متعارفہ فرض کر لیتے ہیں کہ دعوی رسالت صحیح تو بہر حال نہیں ہوسکتا۔اب مدعی نبوت یا تو نعوذ باللہ خادع (Imposter) ہوگا یا نادان اور خود فریبی میں مبتلا (۲۱)۔

الزام جبر وتشدد پسندی:

مستشرقین اسلام اور پیغمبر اسلام پر جبر وتشدد پسندی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا اور مسلمانوں نے اپنی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے جہاد کی آڑ میں ڈاکہ زنی سے کام لیا۔جارج سیل کے مطابق اسلام نے اپنی ترویج واشاعت کے لیے کلیتہً تلوار پر انحصار کیا ہے (۲۲)۔ٹار انڈرائے کہتا ہے کہ جنگِ بدر کی فتح وکامرانی کے بعد اہل اسلام نے طاقت کا اصول وضع کرلیا اور تلوار ہی تبلیغ اسلام کا اصل ذریعہ قرار پا گئی (۲۳)۔منٹگمری واٹ لکھتا ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔لہذا انہوں نے عربوں کے دستور کے مطابق تجارتی کاروانوں کو لوٹنے اور مختلف قبائل پر ڈاکے ڈالنے کا پیشہ اختیار کرلیا۔واٹ کے نزدیک بدر اور دیگر مہمات کا مقصد غیر ضروری خطرات مول لیے بغیر مال غنیمت اکٹھا کرنا تھا (۲۴)۔

صاحبِ تفسیر ماجدی نے جہاد وقتال سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں مستشرقین کے مذکورہ الزامات کو نہایت محکم دلائل سے رد کیا ہے۔سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۰ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ قتال کا یہ حکم ان مظلوم مسلمانوں کو مل رہا ہے جو دو چار مہینے نہیں پورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد بلکہ شقاوت وسفا کی اور بہمیت پر صبر کے امتحان میں پورے اترے چکے تھے اور اب وطن سے بے وطن ہو کر گھر بار چھوڑنے پر مدینہ میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے پاتے تھے۔اللہ تربت ٹھنڈی رکھے انگریز نومسلم ہیڈلے کی جو بہت پتے کی بات کر گیا ہے کہ تین ابتدائی اسلامی غزوات کے جغرافیائی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کرو کہ لڑائی کی ابتداء کس نے کی

؟اور چڑھائی کون کس پر کر کے گیا تھا؟ حملہ اور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا؟ اور حفاظتِ خود اختیاری و مدافعت میں کون لڑ رہا تھا؟ مکہ کے جنگجو اہلِ فساد یا مدینہ کے صابر و شاکر مومنین؟ بدر مدینہ سے ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے اور احد مدینہ سے کل بارہ میل ہے اور جنگِ خندق میں تو خاص مدینہ کا محاصرہ ہوا تھا۔ الغرض ہر دفعہ قریش مکہ یا ان کے حلیف و مددگار ہی مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ پھر الفاظِ قرآنی سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ قتال کا حکم صرف انہی افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں یا آج کل کی اصطلاح میں صرف مصافیوں (Combatants) کے مقابلہ میں غیر مصافی (Non Combatants)۔ آبادی کے سروں پر بم برسا دینے، پرامن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے اور ان پر زہریلی گیسیں چھوڑنے کے ''مہذب ترین'' آئینِ حرب سے اسلام کا قانونِ جنگ ناآشنا ہے۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ محاربات میں اسلامی جہاد و قتال پر فی سبیل اللہ کی قید کی انقلاب انگیزی بھی قابلِ ملاحظہ ہے۔ دنیا میں لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں۔ اب بھی لڑی جا رہی ہیں اور آئندہ بھی لڑی جائیں گی لیکن کس کے لیے؟ زر کے لیے یا زن کے لیے یا زمین کے لیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ''قوم'' اور ''وطن'' کے لیے! یعنی زر و زمین کی طلب فرد کے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے رہ جائے۔ یہ خصوصیت صرف اسلامی جہاد 'بدنام و رسوا' اسلامی جہاد کی ہے کہ جب کبھی اور جن حالات میں شروع ہو، اللہ کی راہ میں ہو، شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو، دینِ حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو، خودی کے لیے نہیں خدا کے لیے ہو، نفس کے لیے، قبیلہ کے لیے، ''حلقہ اثر'' کی توسیع کے لیے، ''آزادیٔ تجارت'' کے لیے، ''آزادیٔ سمندر'' کے لیے، نوآبادیوں کے تحفظ'' کے لیے 'برآمد کی منڈیاں' پیدا کرنے کے لیے، غرض کسی بھی قسم کی عصبیتِ جاہلی کے جھنڈے تلے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لاعزاز دین اللہ (۲۵)۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۶ کی تفسیر میں مستشرقین کے الزامات کو نہایت سخت الفاظ میں رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت پوری تردید کر رہی ہے ان بے غیرت مستشرقین کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مالِ غنیمت کی ہوس میں خود ہی جنگ و قتال کے مشتاق تھے۔ ﴿عَسٰٓى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔـا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ۚ وَعَسٰٓى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـًٔـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡ﴾ کے الفاظ سے قرآن مجید کو جس تصریح و اہتمام کے ساتھ تعداد میں قلیل اور قوت و شوکت میں ضعیف و مضمحل جن مسلمانوں کو جہاد و قتال پر آمادہ کرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے ان کی بابت اسلام کے مشہور و معروف ''کرم فرما'' اور مسیحی دنیا کے نامور مورخ و سیرت نویس پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر ''سچائی'' اور ''دیانت'' سے لبریز ہے کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ نے اپنے شورش پسند پیروؤں کو مشغول کار رکھنے کے لیے جہاد کے ذریعہ لوٹ مار میں لگا دیا۔ گویا کمزوروں کا زورآوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لیے آنا شکار کی قسم کا کوئی مشغلۂ سیر و تفریح تھا۔ دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں (۲۶)۔

سورۃ الانفال کی آیت ۵ کی تفسیر میں جہادِ اسلامی کو ڈاکہ زنی سے تعبیر کرنے والے مستشرقین کی تردید کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ

کی تحقیق نقل کی ہے کہ ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلاوطنی پر مجبور کرنا، جلاوطنی پر ان کی جائیدادوں کا ضبط کر لینا، اور ان کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور با اثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کو اپنے زیر اثر علاقوں میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کی لوٹ ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں، اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال و آبرو کے خلاف بھی ہر فریق کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے (۲۷)۔

مولانا نے استشراقی الزامات کی تردید کی غرض سے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو بھی نہایت خوبصورت اور مدلل انداز میں واضح کیا ہے کہ اسلامی جہاد سفلی اغراض کے پیش نظر لڑی جانے والی عام دنیوی جنگوں کی قبیل کی جنگ نہیں بلکہ یہ انتہائی بلند و اعلیٰ مقصد کی خاطر طاغوتی قوتوں سے لڑی جانے والی جنگ ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۷ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اسلامی جہاد کی غایت دنیا سے ہر قسم کی خودغرضیوں اور فریب کاریوں، ظلم و جور، شورش و بدامنی کو دور کرنا ہے۔ جو احمق اس کو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل و قتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں وہ جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں (۲۸)۔ سورۃ الانفال کی آیت ۴۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دنیوی سپہ داروں کی نہ صرف یہ کہ نسبت دنیا کی ہوتی ہے بلکہ ان کی چال ڈھال، اوضاع و اطوار اور عمل و کردار ہر چیز سے دنیا طلبی ہی ٹپکتی ہے۔ مجاہد و غازی اس کے برعکس اپنی انا کو پہلے ہی زیر کر چکا ہوتا ہے۔ اس کا مقصود ظاہراً و باطناً اور قولاً و فعلاً اللہ کے دین کی سربلندی ہی ہوتا ہے (۲۹)۔ سورۃ النساء کی آیت ۷۶ کے الفاظ الذین امنو یقاتلون فی سبیل اللہ کے تحت حاشیہ طراز ہیں: ''رنگ اور نسل، مرزبوں اور قوم، وطن اور قبیلہ کہ عزت وحمیت پر کٹ مرنے والے اسلامی نقطۂ نظر کی بلندی کو سمجھ بھی سکتے ہیں؟ اسلامی جہاد جب تک اسلامی جہاد رہا کیا وہاں بھی کسی لشکر کے لیے ہزاروں من اور سیکڑوں ٹن شرابوں کی ضرورت پڑی؟ کیا اس لشکر میں بھی سوزاک اور آتشک کے سیکڑوں ہزاروں مریض سپاہیوں اور افسروں کے لیے امراض خبیثہ کے مخصوص اسپتالوں کا انتظام کرنا پڑا؟ مسلمان سپاہی کے سینہ میں تو یہ زندہ ایمان رہتا ہے کہ اسے ایک ایک قدم کا حساب دینا ہے، کبھی اس کا قدم ان گندے راستوں پر پڑ بھی سکتا ہے'' (۳۰)۔

حاصلِ بحث:

مستشرقین قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن نبی کریم ﷺ کا کلام ہے جسے انہوں نے یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ذرائع سے مواد حاصل کر کے مرتب کیا۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں وہ اپنے تخیل کو قیاسات و گمانات کی مختلف وادیوں میں سرپٹ دوڑاتے ہیں۔ صاحبِ تفسیر ماجدی جو استشراقی لٹریچر کا عمیق مطالعہ، مستشرقین کی ذہنیت کا گہرا ادراک اور فلسفہ و نفسیات میں مثالی دستگاہ رکھتے تھے، قرآن کے کلامِ خداوندی ہونے سے انکار کے ضمن میں مستشرقین اور مشرکینِ مکہ اور عہد

نزولِ قرآن کے یہود و نصاریٰ کو ایک ہی ذہنی سطح پر کھڑا دیکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی تفسیر میں اپنے خوبصورت تفسیری حاشیوں کے ذریعے نہایت بلیغ انداز سے ثابت کیا ہے کہ اس سلسلہ میں مستشرقین کے خیالات بالکل اسی طرح کے ہیں جس طرح کے قرآن کے اولین معاندین کے تھے۔ وہ لوگ بھی قرآن کے مصادر کی تلاش میں اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھاتے پھرتے اور یہ بھی ماخذات قرآن کی تحقیق میں جگہ جگہ ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں۔ دونوں کی رَٹ ایک ہی ہے کہ محمدﷺ نے قرآن ضرور کہیں دائیں بائیں سے سن سنا کر اور سیکھ سکھا کر تیار کیا ہے۔ نہ قرآن کے اولین مخاطب معاندین سے بن پڑا کہ اس ضمن میں کبھی خدا کا نام فرض کر لیتے اور نہ ہی عصر حاضر کے ''روشن خیال'' اور ''صاحبانِ عقل و تحقیق'' مستشرقین سے ہو سکا ہے کہ کبھی اس امکان کو سامنے رکھ لیتے کہ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ پر وحی نازل کرنے والا پروردگارِ عالم محمدﷺ کو بھی اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کر سکتا ہے۔ جدید علمی و سائنسی معلومات کے ذریعے بائبل کی بہت سی غلطیاں منظر عام پر آئی ہیں جبکہ قرآن کے کسی ایک واقعہ کو بھی نہیں جھٹلایا جا سکا (۳۱)۔ یہی نہیں بلکہ جدید ترین معلومات نے نہ صرف یہ کہ قرآن کے کئی ایسے واقعات کی درستی کی تصدیق کر دی ہے جن کے بہت سے مستشرقین بائبل میں نہ پائے جانے کی بنا پر منکر تھے، بلکہ کئی ایسے واقعات و شخصیات کی تاریخی حیثیت پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے جن کے بعض آزاد خیال مغربی اہل قلم، بائبل و قرآن ہر دو میں پائے جانے کے باوصف، بعض جدید غیر مصدقہ تاریخی معلومات کے بھروسے پر منکر ہو رہے تھے مثلاً حضرت ابراہیم اور نمرود کے مباحثہ کے واقعہ اور حضرت ابراہیم کی تاریخی حیثیت کا اثبات۔

یوں مولانا دریابادی کے نزدیک قرآن کو کلامِ الٰہی ماننے سے انکار کے حوالے سے مستشرقین جہاں ایک طرف غیر علمی و دقیانوسی فکر کے حامل ٹھہرتے ہیں جسے انہیں جدید ترقی یافتہ سائنسی زمانے میں علم و تحقیق کے نام پر پیش کرتے ہوئے ندامت محسوس ہونی چاہیے، وہاں دوسری طرف وہ اس لحاظ سے سخت متعصب و تنگ نظر بھی قرار پاتے ہیں کہ بائبل کی متعدد مسلّم علمی و سائنسی اغلاط کے باوصف اسے منزل من اللہ سمجھتے ہیں لیکن قرآن کو اس کے بیان کردہ مصدقہ علمی حقائق کے باوجود کلامِ الٰہی ماننے سے گریزاں ہیں جو عصر حاضر میں علمی تحقیقات کے دعویداروں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ جہاں تک سیرتِ نبوی کے ضمن میں استشراقی رویے کا تعلق ہے تو وہ بھی ان کے قرآن سے متعلق رویے سے کچھ مختلف نہیں۔ یوں مولانا کے نزدیک سیرتِ طیبہ کے حوالے سے استشراقی رویہ اس ضمن میں کفارِ عرب کے خرافاتی اور عرب اہل کتاب کے تلبیسی رویہ کی محض نقل ٹھہرتا ہے، جس پر انہوں نے ناحق عقلیت پسندی اور معروضیت کا لیبل لگا رکھا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1. Watt, Montgomery, Muhammad at Medina, Karachi, Oxford

2. Ibid, p.40

۳۔ عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج۱،ص ۱۶۷۔۱۶۸

۴۔ ایضاً، جلد دوم، ۱۹۹۹ء،ص ۸۱۔۸۲

۵۔ ایضاً،ص ۵۱۰

۶۔ ایضاً،ص ۸۷۷

۷۔ ایضاً،ص ۸۳۳۔۸۳۴

۸۔ القرآن، ۲۱:۵

۹۔ عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج۳، کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام، ۲۰۰۲ء،ص ۲۸۴

۱۰۔ ایضاً،ص ۴۹۳

۱۱۔ ایضاً، تفسیر ماجدی، لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ، ۲۰۰۱ء،ص ۹۹۲

۱۲۔ عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج۱،ص ۵۳۴۔۵۳۵

۱۳۔ ایضاً،ص ۱۶۹۔۱۷۰

۱۴۔ ایضاً، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی،ص ۸۰۷

۱۵۔ ایضاً، تفسیر ماجدی، ج۱،ص ۴۷۸۔۴۷۹

۱۶۔ ایضاً،ص ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۵۳

۱۷۔ عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج۱،ص ۵۹۴۔۵۹۵.

۱۸۔ ایضاً، جلد۲،ص ۴۶۰۔۴۶۱

۱۹۔ ایضاً، ج۳،ص ۴۲۰

۲۰۔ ایضاً، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی، حوالہ مذکور،ص ۱۰۰۴

۲۱۔ ایضاً،ص ۸۰۵، ۱۰۰۵، 1151

22. Sale, George,Op.Cit, p.38.

23. Tor Andrae,Op.Cit,p.14.

24. Watt, Montgomery, Muhammad at Medina, Karachi, Oxford

۲۵۔ عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج۱،ص ۳۵۹۔۳۶۱

۲۶۔ ایضاً، ج۲، ۳۱۱،ص ۴۰۲۔۴۰۳، ۱۷۷

۲۷۔ ایضاً، ج۲،ص ۲۷۲

۲۸۔ ایضاً، ج۱،ص ۴۰۵

۲۹۔ ایضاً، ج۲،ص ۳۰۰

۳۰۔ جدید علم وسائنس کے تناظر میں بائبل کی غلطیوں اور قرآن کی صداقتوں کی چشم کشا تفصیلات کے لیے دیکھیے ڈاکٹر موریس بکائی کی کتاب:
The Bible, the Quran and Science, translated from the French by Alastair D. Pannell and the Author.N.D.